مرآتِ حقیقت

پروفیسر محمد مسعود احمد، ایم اے، پی ایچ ڈی

(۱)

مرآتِ حقیقت (۱۲۵۹ھ) میر سید علی غمگیںؔ دہلوی (م ۱۲۶۸ھ) کی فارسی تصنیف ہے، جو موصوف ہی کی ایک دوسری اُردو تصنیف مکاشفات الاسرار (۱۲۵۵ھ) کی بعض رباعیات کی شرح ہے، ان دونوں تصانیف کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا اجمالی تعارف کرا دیا جائے۔

میر سید علی غمگیںؔ[1] ہندوستان کے ممتاز صوفی اور باکمال شاعر تھے۔ نسباً سید تھے، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری، نقشبندی، موصوف کے مورثِ اعلیٰ ایران سے ہندوستان تشریف لائے، اور برہان پور میں قیام فرمایا، ایک عرصہ بعد جد امجد برہان پور سے ترکِ سکونت کر کے دہلی میں آباد ہو گئے، یہیں پر تقریباً ۱۲۰۰ھ میں حضرت غمگیںؔ کی ولادت ہوئی، بارہ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، یتیمی کے اس دور میں اکثر دادی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے جو ہندوستان کے مشہور صوفی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہؒ (م ۱۰۱۲ھ) کی اولاد امجاد سے تھیں اور

---

[1] میر سید علی غمگیںؔ کی حیات اور کارناموں پر راقم کے متعدد مقالات پاک و ہند کے مؤقر جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، مثلاً نوائے ادب (بمبئی)، برھان (دہلی)، معارف (اعظم گڑھ)، اُردو (کراچی)، اُردو نامہ (کراچی) وغیرہ وغیرہ۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ کریں تذکرۂ مظہر مسعود، جلد دوم، مطبوعہ کراچی، صفحہ ۳۹۲ - ۴۰۲۔ نیز مطالعہ کریں راقم کا مقالہ مشمولہ دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

زاہدہ و عابدہ تھیں، موصوفہ نے حضرت غمگیںؔ کو یہ نصیحت فرمائی :-

" تم کو چاہیئے کہ علم سیکھو اور خدا کے راستے میں فقر اختیار کرو۔ رسول مقبول علیہ التحیۃ والتسلیم کے عہد مبارک سے آج تک تمہارے اجداد میں کسی نے بھی فقر کے علاوہ جو تمہارے جدِ امجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے باعثِ فخر تھا، کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا۔ تمہارے لئے بھی ضروری ہے کہ اسی راہ پر چلو اور اپنے آباء و اجداد کے تقویٰ کی پیروی کرو"[1] (ترجمہ و تلخیص)

دادی صاحبہ کی نصیحت دل میں گھر کر گئی لیکن اس نصیحت نے رفتہ رفتہ اپنا رنگ جمایا، آغاز جوانی تو حضرت غمگیںؔ نے عیش و عشرت میں بسر کی، اُردو کے مشہور شاعر سعادت یار خاں رنگیںؔ (م ۱۲۵۱ھ) کے شاگرد ہو گئے اور خوب خوب دادِ سخن دی، ایک دیوان غزلیات بھی مرتب کر لیا لیکن جب کاروانِ حیات پچیسویں منزل پر پہنچا تو دل کی دنیا بدل گئی، خدا سے لَو لگ گئی، اپنے چچا حضرت میر فتح علی گردیزی[2] (م ۵-۱۲۲۴ھ) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی سال شیخِ طریقت کا وصال ہو گیا، وصال سے قبل مرحوم نے حضرت غمگیںؔ کو ایک پیرِ کامل سے ملاقات کی بشارت دی تھی جو ایک مدت بعد صحیح ثابت ہوئی۔

(۲)

اپنے شیخ کے وصال کے بعد حضرت غمگیںؔ بارہ سال (۱۲۲۶ھ تا ۱۲۳۸ھ) عبادت و ریاضت میں مصروف رہے، دل کو چین نصیب نہ ہُوا، اسی اثناء میں دہلی سے ترکِ سکونت کر کے گوالیار میں آباد ہو گئے اور پھر کچھ عرصہ بعد کشاں کشاں حضرت شاہ ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گیا پہنچے، اور شیخ مرحوم کی پیشین گوئی پوری ہوئی، حضرت شاہ صاحب نے تین روز تک توجہ دی، اس کے بعد اپنے صاحب زادے حضرت خواجہ ابوالحسین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عظیم آباد بھیج دیا، یہاں حضرت

---

۱ - میر سید علی غمگیںؔ :- دیباچہ مکاشفات الاسرار، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری۔ لندن، ورق ۲ -

۲ - میر فتح علی گردیزی اردو تذکرہ نویسوں میں ممتاز ہیں۔ تذکرۂ ریختہ گویاں موصوف ہی کی تالیف ہے۔ مزار مبارک دہلی میں ہے۔

غمگیںؔ تقریباً دس ماہ رہے اور پھر نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ وغیرہ مختلف سلسلوں میں اجازت و خلافت سے سرفراز ہو کر واپس گوالیار تشریف لے گئے۔[1] حضرت غمگیںؔ کو یوں تو سلسلۂ قادریہ اور نقشبندیہ سے خاص لگاؤ تھا مگر انھوں نے صوفیہ ملامتیہ کا مسلک اختیار فرمایا، چناں چہ ایک جگہ خود فرماتے ہیں:-

و فقیر مذہب صوفیہ ملامتیہ دارد۔[2]

حضرت شاہ ابوالبرکات اور شاہ ابوالحسین علیہما الرحمۃ کی صحبت کیمیا اثر نے جہاں حضرت غمگیںؔ کو روحانی جلا بخشی وہاں شعر و سخن کو بھی نئی زندگی بخشی۔ یہ دونوں بزرگ گوالیار بھی تشریف لائے اور یہیں ایک محفل میں خاص توجہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا:-

عنقریب مثل طوطک گویا خواہی شد۔[3]

چناں چہ ایسا ہی ہوا، شعر و سخن کا ایسا سیلاب اُمڈا کہ تھامے نہ تھما، مگر اب وہ پہلی سی بات نہ تھی، انداز بدلا ہوا تھا کہ دل کی دنیا بدل چکی تھی، اپنی ادبی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت غمگیںؔ فرماتے ہیں:-

"ابتداء میں ایک دیوان ریختہ (اردو) مرتب کیا تھا، جب عمر ساٹھ سال کے قریب پہنچی تو روحانی کیفیات و واردات نے مجبور کیا، دوسرا دیوان غزلیات مرتب کیا گیا اور سابق دیوان کی بعض غزلیات اس میں شامل کر لی گئیں۔ جب یہ دیوان (مخزن الاسرار ۱۲۵۳ھ) بھی مرتب ہو گیا تو کیفیات و واردات میں پھر بھی کمی نہ ہوئی۔ چناں چہ تیسرے دیوان رباعیات (مکاشفات الاسرار ۱۲۵۵ھ) کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا۔

از ابتدائے سلوک حضرات قادریہ نقشبندیہ تا انتہا در پیرایہ رباعیات کہ بطور رسالہ تصوف باشد ترتیب دہم۔[4]

۱- یہ تمام حالات دیباچہ مکاشفات الاسرار (قلمی) سے اخذ کئے ہیں جس کا مائیکروفلم ہم نے انگلستان سے حاصل کیا ہے۔ یہ مخطوطہ مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی ملکیت میں رہا ہے، آخر میں ان کے دستخط موجود ہیں۔

۲- مکاشفات الاسرار، ورق ۶۔

۳- میر سید علی غمگیںؔ: دیباچہ مرآتِ حقیقت (قلمی) ۱۲۶۴ھ۔ (۴)۔ مکاشفات الاسرار، ورق ۶

چناں چہ اسی جذبہ کے تحت اٹھارہ سَو[۱۸] رباعیات پر مشتمل زبان اردو میں یہ عظیم الشان دیوان مرتب کر لیا گیا، لیکن جب اس پر نگاہ ڈالی تو نثر سے بھی زیادہ بدتر نظر آیا۔ خود فرماتے ہیں :۔

چوں آں باتمام رسید دیدم کہ بدتر از نثر است چرا کہ بسبب عدم تفصیل کہ رباعی گنجائش آں نمی دارد، مضمون آں خاطر خواہ در فہم سالک کم می آید و سوائے عارف کامل معنی آں را کسے کم می فہمد[۱]

جب وہ مکمل ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو نثر سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ چوں کہ رباعی میں تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے اختصار کی وجہ سے رباعی کا مضمون اچھی طرح سالک کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ عارف کامل کے علاوہ دوسرے لوگ اُس کے معانی مطالب کم ہی سمجھ سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قلبی کیفیات و احوال کا الفاظ کے ذریعہ اظہار بہت مشکل ہے، حضرت غمگیںؔ نے اپنی ایک رباعی میں بڑی جامعیت اور دل نشینی کے ساتھ اس مشکل کا ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں :۔

کس طرح کرے کوئی وہاں کی باتیں　　آتی نہیں نطق میں جہاں کی باتیں
جو باتیں وہاں کی کیجئے اے غمگیںؔ　　واللہ کہ سب ہیں وہ یہاں کی باتیں[۲]

جب بات اس مرحلے پر پہنچی تو خیال آیا کہ کیوں نہ اس کی شرح لکھی جائے، تاکہ ابہام دور ہو جائے اور بات سمجھ میں آ جائے۔ چوں کہ اردو رباعیات کا موضوع تصوف تھا اور یہ عام لوگوں کے فکر و شعور سے بالاتر ہے، اس لئے بات کو ذرا مخفی رکھنے کے لئے شرح فارسی میں لکھی گئی اور اس کا نام "مرآتِ حقیقت" رکھا گیا۔ حضرت غمگیںؔ خود اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں :۔

خواستم کہ چند اصطلاحات صوفیہ را مجملاً شرح دھم پس ایں رسالہ کہ مسمّٰی بہ مرآتِ حقیقت است تصنیف و تالیف نمودم و لطف ایں است کہ نام ایں رسالہ تاریخ ایں رسالہ است[۳]

میں نے چاہا کہ صوفیہ کی چند مصطلحات کی مجملاً شرح کر دی جائے تو یہ رسالہ جس کا نام

۱۔ مرآتِ حقیقت۔ ص ۱　　(۲)۔ مکاشفاۃ الاسرار۔ ورق ۱۰۴۔

۳۔ مرآتِ حقیقت۔ ص ۲۔

مرآتِ حقیقت' سے ترتیب دیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اس رسالے کا نام ہی اس رسالے کی تاریخ ہے۔

(۳)

مرآتِ حقیقت کا جو قلمی نسخہ ہمارے پیشِ نظر ہے وہ غمگینؔ اکادمی، گوالیار کے ڈائرکٹر محترم رضا محمد صاحب حضرت جی کی عنایت سے ہم کو ملا ہے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ یہ نسخہ ایک مجلد میں ہے جس کا سائز ۸" × ۶" ہے اور جو ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، ترقیمے کی عبارت یہ ہے:

تمام شد رسالۂ مرآت حقیقت بتاریخ سیزدھم ماہ ربیع الثانی ۱۲۶۴ ہجری بخط بے ربط بجلدی تمام احقر الانسان مصطفےٰ خان عفی عنہ نگارش یافت؎

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زاں کہ من بندۂ گنہ گارم ؎۲

یہ نسخہ دو خصوصیات کی وجہ سے نادر ہے، پہلی بات تو یہ کہ مصنف کی حیات ہی میں اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے۔ مصنف نے ۱۲۶۸ھ میں وصال فرمایا اور یہ نسخہ کاتب (مصطفےٰ خان) نے ۱۲۶۴ھ میں کتابت کیا یعنی مصنف کے وصال سے تقریباً چار سال قبل، دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مصنف کا ذاتی نسخہ ہے، جابجا مصنف نے اپنی بیضوی مہر ثبت کی ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے:

سید علی القادری القدوسی

(۴)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مرآتِ حقیقت کا موضوع تصوف ہے جو شریعت، طریقت، حقیقت پر محتوی ہے۔ مصنف نے اس کے تحت بے شمار ذیلی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے جس میں تقلیدی اور اجتہادی دونوں رنگ موجود ہیں، ان موضوعات کی فہرست بہت طویل ہے، چند ایک یہ ہیں:-

---

۱- اس مجلد میں حضرت غمگینؔ کے دو اور نایاب رسائل ہیں یعنی کشف الانوار (ص ۲۹۶ تا ۳۱۰) اور حقیقۃ الخلافۃ (ص ۳۱۱ تا ۳۶۷)۔ دونوں کی کتابت مصطفےٰ خان کاتب نے بالترتیب ۱۴، ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ اور ۳، جمادی الاول ۱۲۶۴ھ میں کی۔

۲- مرآتِ حقیقت۔ ص ۲۹۴۔

اسم ذات، انسان کامل، احدیت، واحدیت، وحدانیت، لطائف عشرہ، اقسام قلب، نفی اثبات، مراقبہ، طریقۂ ذکر، مرید و المراد، مجاہدۂ نفس، ایمان، کفر، قرآن، شریعت، طریقت، حقیقت، صلوٰۃ، صوم، اعتکاف، حج، زکوٰۃ، معاصی، ولایت، رویت و معرفت، اقطاب، ابدال، عشق، عاشق، معشوق، قرب و وصال، غیبت، فناء و بقا، جمع و تفریق، سماع، روح، نفس، کبر و عجز، اخلاص و ریا، رضا، حال، فراق، صحو، قبض و بسط، ایثار، جبر و اختیار، نجم و منجم، علم و جہل، تفکر، تجرید و تفرید، سکوت و مقال، حب و بغض، موحد، ملحد، مقلد، لوح، قلم، عرش، کرسی، انسان، ملائک، وجودیت و شہودیت، قضا و قدر، واجب الوجود، ممکن الوجود، وغیرہ وغیرہ۔

(۵)

یہاں 'مرآتِ حقیقت' کے اس مجمل تعارف پر اکتفا کیا جاتا ہے البتہ میر سید علی غمگین نے 'مکاشفات الاسرار' کی بعض رباعیات کی شرح کرتے ہوئے جو اجتہادی رنگ اختیار کیا ہے اس پر سیر حاصل لکھنے کی ضرورت ہے خصوصاً اس ضمن میں آیاتِ قرآنی کی جو اُنھوں نے تفسیر بیان کی ہے گو اس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے مگر توجہ کی مستحق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ "تفاسیر غمگین" کے عنوان سے پھر کبھی ایک مستقل مقالے کی صورت میں یہ تفاسیر پیش کی جائیں گی۔

آخر میں میر سید علی غمگین کے انداز فکر و بیان کے ایک سرسری تعارف کے لئے ایک رباعی کی فارسی شرح کا اردو ترجمہ نمونتہً پیش کیا جاتا ہے:۔

الکلام فی تفسیر ہذہ الآیۃ

وفدینہ بذبح عظیم

مفسرین نے "ذبح عظیم" سے مراد جنتی مینڈھا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ مینڈھا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جنت سے آیا تھا۔ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) نے 'فصوص الحکم' میں لکھا ہے کہ وہ ایک "روح بزرگ" تھی۔ شیخ اکبر اور دوسرے صوفیہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح تھے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں اور بعض ان دونوں نظریات کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن فقیر کا مذہب یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ مفسرین نے جو "ذبح عظیم"

سے مراد جنتی مینڈھا لیا ہے تو اس تفسیر سے اطمینان قلب میسر نہیں آتا۔ اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور انسان کامل بنایا۔ پس ایک جنتی مینڈھا انسان کامل سے کیوں کر افضل ہو سکتا ہے؟ انسان محض خدا کی معرفت اور عشق کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کے علاوہ دونوں جہاں میں، کیا بہشت اور کیا دوزخ ـــ اِس عالم اور اُس عالم میں، سب کچھ انسان کے لئے ہے چنانچہ اس سے انسان کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہیئے لولاک لما خلقت الافلاک ـ انسان جنت کے لئے نہیں بلکہ محض عشقِ الٰہی اور معرفت الٰہی کے لئے ہے اور بہشت انسان کے لئے ہے نہ کہ انسان بہشت کے لئے، پس وہ چیز جو خود انسان کے لئے ہو، انسان سے کیوں کر افضل اور برتر ہو سکتی ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن شریف بھی تو انسان کے لئے نازل کیا گیا ہے اس لئے انسان کا رتبہ قرآن سے برتر ہونا چاہیئے تو میں اس کا جواب یہ دوں گا کہ تم نے حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نہیں سنا:۔ انا کلام اللہ الناطق ـ قرآن حقیقت انسان ہے اور انسان حقیقتِ قرآن۔ اس راز کے مزید افشا کا مجھے حکم نہیں۔

پس فقیر کے نزدیک "ذبح عظیم" سے مراد حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہے کیوں کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے بدلے حضرت امام حسینؓ کو شہادت عطا فرمائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو پیغمبر تھے اور قرآن شریف کا یہ ارشاد ہے کہ و فدینہ بذبح عظیم پس ولی، امام اور شہید، نبی سے کیوں کر افضل ہو سکتا ہے؟ ـــ اس کا جواب میں یہ دوں گا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت پیغمبر نہ تھے اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے برتر اور افضل موجود تھے اور جس وقت حضرت امام حسین شہید ہوئے ہیں روئے زمین پر کوئی شخص ان سے افضل موجود نہ تھا، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جگر گوشہ تھے اور حضرت امام حسینؓ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عالی و بلند ہے اسی لئے حضرت امام حسینؓ کے حق میں 'ذبح عظیم' فرمایا گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 'ذبح عظیم' سے مراد آلِ رسول کی شہادت کو بحیثیت مجموعی لیا جائے یعنی فرزندان حضرت امام حسین، برادرزادگان

ہمشیرزادگان اور برادران وغیرہ۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حضرت زید اور حضرت جعفر شہید ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو بہشت میں دیکھا لیکن حضرت جعفر کے مرتبے کو حضرت زید سے بلند پایا۔ تعجب سے جناب باری میں عرض کیا کہ "جعفر کا مرتبہ زید سے کیوں بلند ہو گیا ؟" ۔ جواب آیا کہ "تیری قربت کی وجہ سے"۔ سوچو تو سہی اس جواب سے کیا اندازہ ہوتا ہے ؟

شیخ اکبر نے 'فصوص الحکم' میں چند وجوہات کی بنا پر اس بھید کو واشگاف نہیں فرمایا، مجملاً بطور کنایہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ "روح بزرگ تھی لیکن روح بزرگ سے ان کی مراد امام حسینؓ کی روح بزرگ ہی ہے اور اگر تمہارے نزدیک اس سے مراد کوئی اور روح تھی تو پھر اس کو ظاہر کرو۔

رباعی

تھا کیش خلیل، روحِ اعلا و کریم
ناطق ہے اسی پہ دیکھ قرآن قدیم
تاویل پہ عالمانِ ظاہر کی نہ جا
غمگیںؔ ہے غرض حسین سے 'ذبحِ عظیم' [۱]

۱۔ مرآتِ حقیقت، ص ۱۶۸ - ۱۷۱۔